۲۹

استثنائی طور پر انبیاء قتل ہو سکتے ہیں

(فرمودہ ۲ ؍ستمبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''میں نے پچھلے خطبہ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے متعلق بعض باتیں کہی تھیں اور میں نے اس بارہ میں الفضل کے عملے پر بھی اظہارِ ناپسندیدگی کیا تھا کہ انہوں نے کیوں ایک ایسی بات بغیر پوچھے اور بغیر مشورہ لینے کے شائع کر دی جس کے متعلق خود ان کے اخبار میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے حوالہ جات بِالتفصیل چھپ چکے تھے ۔ایڈیٹر صاحب ''الفضل'' نے اس کی ایک معذرت کی ہے وہ تو میرے نزدیک درست نہیں ہے مگر اس نے مضمون میں سے ایک اَور شاخسانہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو یہ دوسرا مضمون شائع کیا ہے اس سے پہلے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کا مضمون آیا تھا جو ہم نے شائع نہیں کیا۔ اسے تو میں سمجھ نہیں سکا کہ اگر ایک کی بجائے دو مضمون آجائیں تو انسان مجبور ہو جاتا ہے مگر بہرحال ایڈیٹر صاحب نے وہ مضمون مجھے بھیج دیا ہے اور اسے پڑھنے کے بعد میں اِس امر کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ اس کے متعلق بھی بعض باتیں کہہ دوں ۔گو وہ مضمون شائع نہیں ہوا مگر چونکہ شائع ہونے کے لئے آیا تھا اِس لئے اسے شائع شدہ سمجھنا چاہئے ۔انبیاء کی جماعتوں کے لئے روحانیت کا معیار بلند رکھنا نہائت ضروری ہوتا ہے ساری ہی دنیا انبیاء کی جماعتوں پر پھٹکار ڈالتی ہے۔اگر ان کے مخالفوں کی زبان میں تأثیر ہو اور اگر ان کی لعنتیں کچھ اثر کر سکتی ہوں

تو شاید ان کا نام ونشان بھی مٹ جائے ۔ ہر طرف سے ان پر لعنت و پھٹکار پڑتی ہے اور ایک ہی چیز ان کے لئے موجبِ تسکین وتسلّی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چل رہے ہوتے ہیں ۔

باپ بیٹے پر لعنت کرتا ہے، بھائی بھائی پر، بیوی خاوند پر اور خاوند بیوی پر، دوست دوست پر، غرض اِس قدر گالیاں ان کو دی جاتی ہیں، اِس قدر بددعائیں ان کے لئے کی جاتی ہیں، اس قدر بُرا کہا جاتا ہے اور ان کو اس قدر حقیر سمجھا جاتا ہے کہ اگر انسانوں کی زبانوں میں تأثیر ہوتی تو وہ جل کر راکھ ہو جاتے مگر ان کا اللہ تعالیٰ پر توکل ہوتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر بھائی گیا ہے تو جائے، بیوی گئی ہے تو جائے، اگر ماں باپ گئے ہیں تو جائیں، دوست جاتے ہیں تو جائیں، ایک ہی چیز ان کے پاس ہوتی ہے اور وہ ان کا خدا ہوتا ہے ۔

پس اگر ہم روحانیت کو پورے طور پر اور ایسے طور پر نہ پکڑیں جیسے انسان ڈوبتے وقت کسی سہارے کو پکڑتا ہے اور کسی صورت میں اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو پھر ہماری بدبختی کی کوئی حد نہیں ہوگی اور ہماری مثال وہی ہوگی:

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہم چونکہ اللہ تعالیٰ کے مامور کی جماعت ہیں اور یہ سب باتیں ہم نے دیکھی اور دیکھ رہے ہیں سنی اور سن رہے ہیں، محسوس کی ہیں اور محسوس کر رہے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پر ہمارا توکل نہ ہوتا تو جس قسم کا گند ہمارے خلاف اچھالا جا رہا ہے اس کا سواں حصہ بھی اگر ایسے شخص کے متعلق اچھالا جائے جس کا توکل اللہ تعالیٰ پر نہ ہو تو وہ مر جائے ۔ اگر نہ مرے تو جنگلوں اور غاروں میں چلا جائے تا کہ کسی کو منہ نہ دکھا سکے اور محض اللہ تعالیٰ پر توکل ہی ہے جو ہمیں دنیا کو منہ دکھانے کی طاقت دیتا ہے اور اس کی آواز ہمارے کانوں میں آتی اور کہتی ہے کہ تم یہ گالیاں میری خاطر سنتے ہو پس سنو اور برداشت کرو اور صبر کرو ۔ ورنہ جو کچھ ہمیں کہا جاتا ہے اسے کوئی چوہڑا اور سانسی بھی برداشت نہیں کرسکتا ۔

یہ تو نہیں کہ ہمارے دل نہیں ۔ ہمارے بھی دل ہیں، ہمارے بھی جذبات ہیں، ہم بھی غیرتیں رکھتے ہیں اور ہمارے اندر بھی شرم وحیا کا مادہ ہے ۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے صحابہؓ میں بھی یہ باتیں تھیں اور آپ سے پہلے انبیاء اور ان کی جماعتوں میں بھی مگر وہ سنتے تھے اور چُپ رہتے تھے کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں ہے اور یہی چیز ہے جو ان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیارا اور محبوب بنا دیتی ہے اور جو مرنے کے بعد ان کے کام آئے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت دیکھیں گے کہ جسے دیکھ کر ان کو گالیاں دینے والے اگلے جہان میں کٹ کٹ کر مریں گے جب خدا تعالیٰ ان کو پیار کرے گا، جب وہ محبت کے تمام ظہور ان کے لئے ظاہر کرے گا تو ان کو گالیاں دینے والے کہیں گے کہ کاش! دنیا کی بیسیوں سالوں کی خوشیاں نہ ہوتیں اور اِس جہان کی ایک منٹ کی خوشی حاصل ہو جاتی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے مؤمن یہ ساری باتیں برداشت کرتے ہیں ورنہ اور کیا چیز ان کی ڈھارس بندھاتی ہے پس اِس ایک ہی چیز کو سنبھالنا نہایت ہی ضروری ہے۔ ہمارے سب کاموں کی بنیاد تقوی اللہ پر ہونی چاہئے اور ہمارے تعلقات بھی خدا تعالیٰ کے لئے ہونے چاہئیں کسی سے دوستی یا دشمنی کے لئے نہیں۔

مجھے یہ مضمون دیکھ کر نہایت تعجب ہؤا اور میں نے چاہا کہ دوستوں کو پھر ایک دفعہ نصیحت کروں کہ اپنے معاملات اور تعلقات کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رکھا کرو اور ان کی بنیاد کسی قسم کی نفرت یا محبت پر نہ رکھو۔ میں نے بعض اپنے گزشتہ خطبات میں ہی بیان کیا ہے کہ بعض لوگ کسی سے محبت یا نفرت کی وجہ سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں وہ کسی سچی بات کو نفرت کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔ اور دوست کی جھوٹی بات کو بھی سچ سمجھ لیتے ہیں۔ مولوی غلام رسول صاحب نے یہ مضمون اخبار میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے اور گو وہ شائع نہیں ہؤا مگر وہ اس کی اشاعت کی اجازت دے چکے ہیں بلکہ وہ خوش ہوتے اگر یہ شائع ہو جاتا۔ اس لئے اس کو شائع شدہ سمجھ کر اس کے متعلق بعض باتیں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں ''وہ پاک نیت کے ساتھ اپنے اپنے معلومات کے دائرہ کے اندر صداقت کی تائید میں قلم کو جُنبش دینا خواہ حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے مضمون کی نوعیت صداقت سے مختلف نظر آئے، پھر بھی موجبِ ثواب ہے۔ ہاں بعد انکشافِ حقیقت و اتمامِ حُجت ضد کے ساتھ قبولِ حق سے اعراض اختیار کرنا سخت عیب اور غیر مناسب ہے۔ ہمیں تعلیمِ احمدیت

کی بناء پر باوجود دونوں فاضلوں کے اختلافِ مضمون کے دونوں کے متعلق حُسنِ ظن ہے۔ مولوی ابوالعطاء صاحب کا مضمون اَور طرح کے نظریہ کے لحاظ سے لکھا گیا ہے اور مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب کا مضمون اَور طرح کے نظریہ کے لحاظ سے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا مضمون اِس لحاظ سے کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش کردہ حوالہ جات سے مولوی ابولعطاء صاحب کا مضمون مخالف جہت پر محسوس ہوتا ہے تردید میں لکھنا جماعت احمدیہ کے لئے ایک قابلِ قدر امر ہے بشرطیکہ علمِ تنقید صحیح حاصل ہو۔ اور اگر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا یہ قابلِ قدر طرزِ عمل ہر مخالف مضمون کے مقابل جو سیدنا حضرت اقدس کے حوالہ جات سے مخالف جہت پر بصورت تعارض وتخالف پایا جاتا ہو بغرض تنبیہہ مضمون نگار کو متنبہ اور جماعت کے افراد کو علمی مفاد کے لحاظ سے مستفید فرماتے رہا کریں تو یہ بھی ایک فائدہ بخش خدمت ہے گو اِس کے متعلق یہ بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ افرادِ جماعت کی خداداد علمی طاقتیں بجائے اِس کے کہ مخالفین کے محاذ میں صَرف کی جائیں خانہ جنگی کے طور پر اپنے ہی نقصان کا موجب نہ بن جائیں چنانچہ کئی احباب نے مجھ سے ذکر کیا اور تعجب کرتے ہوئے ذکر کیا کہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کا مضمون جو یکم جون کے ''الفضل'' میں شائع ہوا ہے اس میں حضرت یونس علیہ اسلام کے متعلق جو کچھ مچھلی کا واقعہ لکھا ہے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں داخل نہیں کئے گئے تھے اور نہ وہ مچھلی کے پیٹ کے اندر رہے یہ نہ صرف قرآن کریم کی نصِّ صریح لَـلَبِـثَ فِـیْ بَـطْـنِـہٖٓ[1] کے ہی خلاف ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ واسلام کی تحریروں میں بھی جس قدر حوالے پائے جاتے ہیں سب کے خلاف ہے اور کسی ایک حوالے سے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ بات کی تصدیق نہیں ہوتی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب جنہوں نے مولوی ابوالعطاء صاحب کے مضمون کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ اسلام کے پیش کردہ حوالہ جات کے خلاف پاکر فوراً تردید میں مضمون لکھ دیا۔ کیوں انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی تردید میں حضرت اقدس کے حوالہ جات پیش نہیں کئے اور کیوں خاموشی اختیار کرلی۔ میں نے یہی عرض کیا کہ ممکن ہے مولانا صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب کے خلاف حضرت اقدس کی تحریروں سے حوالہ جات نکالنے کے لئے کوشش کررہے ہوں اور پھر حسبِ دستوران حوالہ جات

کو بھی ''الفضل'' کی کسی اشاعت میں شائع کرادیں۔ ہاں بعض حوالہ جات جو یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ کے اندر داخل ہونے کے متعلق پائے جاتے ہیں کتاب ''مسیح ہندستان میں'' اور کتاب ''راز حقیقت''۔ ''کشف الغطاء'' اور نور القرآن حصہ دوئم سے مل سکتے ہیں اور ''حقیقۃ الوحی'' کے تتمہ کے صفحہ ۱۳ پر حضور اقدس فرماتے ہیں:

''قوم کی تضرع اور زاری سے یونس نبی کی پیشگوئی ٹل گئی جس سے یونس نبی کو بڑا ابتلا پیش آیا اور وہ پیشگوئی کے ٹل جانے سے رنجیدہ ہوا اِس لئے خدا نے اُس کو مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا''

ایسا بہت سی کتب مسیح موعود علیہ السلام میں اس طرح کا حوالہ مل سکتا ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں داخل کئے گئے تھے اور پھر مسیح علیہ السلام کا زندہ قبر میں داخل ہونا اور زندہ تین دن تک رہنا اور زندہ نکلنا یونس علیہ السلام کے واقعہ حوت کی مماثلت میں پیش کیا گیا اور جنین کا رحمِ مادہ میں زندہ رکھنا اور ہزار ہا جراثیم کا دوسری ہستیوں میں زندگی کے ساتھ قائم رکھنا جس خدا کا قانون ہے اُس کا کسی مناسب مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کا زندہ رکھنا خواہ وہ غشی کی حالت میں ہو تصرفاتِ قدرت سے مستبعد نہیں۔''

گو مولوی غلام رسول راجیکی صاحب نے آگے چل کر مولوی محمد اسماعیل صاحب کے مضمون کی تردید میں بعض حوالے درج کئے ہیں اور اپنے درجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ بھی بہت احتیاط سے استعمال کئے ہیں مگر جیسا کہ ہر پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے ان کے مضمون میں اس قسم کا اشارہ ضرور ہے کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب نے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کے مضمون کی تردید کیوں نہیں کی۔ جو مضمون میر صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ اگر اِسی طرز پر ہے تو یقیناً غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متواتر احکام اور ارشادات کے خلاف ہے اور اس وجہ سے اِس کی غلطی واضح ہے۔ مگر مولوی صاحب کے اس مضمون میں سے جس چیز نے مجھ پر اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کے متعلق یہ اعتراض کرنا کہ اس نے فلاں مضمون کا جواب دیا ہے اور فلاں کا نہیں دیا چاہے اِسی رنگ میں کہہ دیا ہو کہ حوالے نکال رہے ہوں گے یہ طریق صحیح نہیں۔ کیا یہ فرض ہے کہ ہر ایسے مضمون کا جواب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہی دیا کریں؟

کیا یہ بھی کوئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے؟ مولوی راجیکی صاحب کے مضمون میں اِس بات کا واضح اشارہ ہے کہ میر صاحب کے مضمون کا جواب کسی اور وجہ سے نہیں دیا گیا حالانکہ یہ بات تقویٰ اللہ اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ جو اعتراض مولوی راجیکی صاحب نے اپنے مضمون میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر کیا ہے وہ خود ان پر بھی پڑتا ہے۔ انہوں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر اعتراض کیا ہے کہ کل انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی تردید کرنے والے ایک مضمون کا جواب دیا ہے، دوسرے کا کیوں نہیں دیا لیکن یہی اعتراض مولوی راجیکی صاحب پر پڑتا ہے بلکہ زیادہ سخت صورت میں پڑتا ہے کہ انہوں نے اس مضمون کا جواب تو دیا جو مولوی ابواعطاء صاحب کے مضمون کی تردید میں لکھا گیا تھا مگر اُس کا کیوں نہ دیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کو ردّ کرنے والا تھا۔ جب میر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی تردید کی تو وہ منتظر رہے کہ کوئی اور ان کا ردّ کرے لیکن جب مولوی ابوالعطاء کی تردید ہوئی تو انہوں نے فوراً اس کے ردّ میں مضمون لکھنا ضروری سمجھا۔ پھر میں نے تو میر صاحب کا یہ مضمون نہیں پڑھا اگر پڑھتا تو یقیناً اس کا ردّ کرا دیتا اور اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی وہ نہ پڑھا ہو مگر مولوی راجیکی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے دونوں مضمون پڑھے ہیں لیکن چونکہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے کہیں بیان نہیں کیا کہ انہوں نے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا مضمون پڑھا ہے اس لئے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے میر صاحب کا مضمون نہ پڑھا ہو۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ آدمی ''الفضل'' میں جو کچھ چھپا ہو سارے کا سارا پڑھے۔ میں نے میر صاحب کے کئی مضمون پڑھے ہیں مگر یہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اسی طرح مولوی غلام رسول راجیکی صاحب کے مضامین چھپتے رہتے ہیں ان میں سے بعض میں نے پڑھے ہیں بعض نہیں پڑھے۔ جس دن زیادہ فُرصت ہو سارا اخبار پڑھ لیتا ہوں، جس دن کم ہو اُس دن ضروری ضروری حصے پڑھ لیتا ہوں اور باقی عنوان دیکھ لیتا ہوں۔ اِسی طرح دوسرے لوگ بھی کرتے ہوں گے؛ پس یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ میر صاحب کا مضمون جو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی ضرور پڑھا ہوگا۔ لیکن وہ

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا مگر خود تسلیم کرتے ہیں کہ پڑھا اور پھر اس کا ردّ نہیں کیا۔ اس کا جواب دینا جیسا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا فرض تھا ویسا ہی مولوی راجیکی صاحب کا بھی تھا لیکن انہوں نے مولوی ابوالعطاء صاحب کے ردّ کا جواب تو جھٹ دیا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رد کا نہیں دیا۔

پس ان پر یہ شدید اعتراض پڑتا ہے کہ انہوں نے مولوی ابوالعطاء صاحب کے لئے تو غیرت دکھائی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ کہیں ہمارے علماء میں پارٹی بازی کا رنگ تو نہیں پیدا ہو رہا۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر سلسلہ میں کسی قسم کی بھی کوئی پارٹی بازی کی روح پیدا ہوئی تو اِنْشَاءَ اللہ اللہ تعالیٰ کی ہی توفیق سے میں اس کو اپنی زندگی میں کبھی برداشت نہیں کروں گا۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب اور مولوی راجیکی صاحب صحابہ میں سے اور مولوی ابوالعطاء صاحب تابعین میں سے چوٹی کے علماء میں سے ہیں اور انہوں نے سلسلہ کی مشکلات کے وقت میں میری اعانت بھی کی ہے اور اخلاص کے ساتھ سلسلہ کے کام کرتے رہے ہیں جن کے لئے میں جَزَاکُمُ اللہ کہتا ہوں اور میرے دل سے ان کے لئے دعا نکلتی ہے مگر ان باتوں کے باوجود اگر خدانخواستہ کوئی ایسی صورت ہو تو میں قطعاً اس طرف راغب نہیں ہوں کہ ان کی اس قسم کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ صاف بات یہ ہے کہ ایک مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی تردید کی گئی مولوی راجیکی صاحب نے اُس مضمون کو پڑھا انکا فرض تھا کہ اُس کا جواب دیتے مگر انہوں نے نہ دیا۔ مجھے ان کے اس قول پر تعجب ہے کہ لوگ ان کے پاس گئے اور کہا کہ میر صاحب کے مضمون کا جواب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کیوں نہیں دیتے۔ ان لوگوں نے مولوی صاحب سے یہ کیوں نہ کہا کہ مولانا آپ اس مضمون کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہیں یہ کیونکر خیال پیدا ہوا کہ وہ مولوی راجیکی صاحب کے پاس جا کر یہ شکائت کریں کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جواب کیوں نہیں دیتے جبکہ ایک عالم ان کے سامنے تھا جسے اس مضمون کا بھی علم تھا پھر بھی اس نے جواب نہیں دیا۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب تو ممکن ہے مولوی ابوالعطاء صاحب کے مضمون کا بھی جواب نہ دیتے۔

اس کا محرک تو یہ امر ہے کہ جب یہ مضمون نکلا ہے تو میں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو لکھا یا زبانی کہا کہ زبانی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے خلاف سُنا ہوا ہے اور کتابوں میں بھی اس کے خلاف پڑھا ہوا ہے لیکن حوالے مجھے یاد نہیں آپ کو مشق ہے آپ قتلِ یحییٰ کے بارے میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے بھجوا دیں۔ چنانچہ انہوں نے حوالے نکال کر مجھے بھیج دیئے۔ معلوم ہوتا ہے جب مولوی صاحب نے حوالے نکالے تو ساتھ ہی اُنہیں یہ خیال بھی آ گیا کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے اِن کو شائع بھی کرا دوں تو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے مولوی ابوالعطاء صاحب کے مضمون کی اصلاح کے لئے جو مضمون لکھا کسی مخالفت کی وجہ سے نہیں لکھا بلکہ میرا حوالے طلب کرنا اِس کا موجب ہو گیا اور نہ انہوں نے یہ مضمون اس لئے لکھا کہ ان کا خیال تھا یا جماعت کا خیال تھا کہ سب مضمونوں کا ردّ کرنا اِنہی کا ہی کام تھا لیکن مولوی راجیکی صاحب کے مضمون میں اس قسم کا مخفی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو چونکہ مولوی ابوالعطاء صاحب سے کینہ تھا اِس لئے ان کا ردّ کیا اور میر صاحب سے چونکہ ان کی دوستی تھی اس لئے ان کی تردید نہ کی اور اگر مولوی صاحب سے غلطی سے ایسا نہیں لکھا گیا تو یہ صریح ظلم ہے۔☆ میرا تو خیال ہے کہ میں اگر ان کو حوالے نکالنے کو نہ کہتا تو ممکن ہے اس مضمون کا بھی ان کو پتہ نہ لگتا اور وہ جواب نہ دیتے یا شاید سمجھ لیتے کہ کوئی اَور اس کا جواب دیدے گا۔ دراصل نیکی کے مختلف مواقع ہوتے ہیں جو مختلف لوگوں کو مل جاتے ہیں۔

ہر نیکی حضرت ابوبکرؓ نے ہی نہیں کی بلکہ بعض حضرت عمرؓ نے بھی کیں، پھر بعض کا موقع حضرت عمرؓ کو نہیں ملا اور وہ حضرت عثمانؓ نے کیں، پھر بعض کا حضرت عثمانؓ کو نہیں ملا اور حضرت علیؓ کو موقع ملا، بعض حضرت طلحہؓ نے کیں، بعض حضرت زبیرؓ نے کیں تو نیکی کے مواقع ہوتے ہیں اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو تحریک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی مضمون کسی کو سوجھ جاتا ہے اور کسی کی تحریک کسی اَور کو ہو جاتی ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ہر نیکی کی تحریک کسی ایک ہی انسان کو ہو اور ہر مضمون لکھنے کا خیال ایک ہی شخص کو آئے یہ انسانی فطرت ہے کہ کبھی

☆ مولوی راجیکی صاحب کا خط آیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ انہیں مولوی صاحب سے کوئی رنج نہیں۔ انہوں نے بِالارادہ ایسی کوئی بات نہیں لکھی اور ان کے عذر کو میں تسلیم کرتا ہوں۔

کسی کو خیال آ جاتا ہے اور کبھی کسی کو۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک کام کہتے ہیں اور زید خیال کرتا ہے کہ بکر کرے گا اور وہ سمجھتا ہے کہ عمر کرے گا اور کبھی کوئی کر دیتا ہے اور کبھی کوئی اور اس بات کو کسی کی نیت سے وابستہ کر دینا نہایت خطرناک امر ہے۔

اگر ہر نیکی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کو ہی خیال آتا تو باقی سب صحابہؓ خالی ہاتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جاتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو نیکیوں کے بہت سے مواقع عطاء کئے مگر بعض دفعہ حضرت عمرؓ کو بھی دیئے اور بعض مواقع پر حضرت عمرؓ کو ایسی سُوجھی جو حضرت ابوبکرؓ یا کسی اور صحابی کو نہیں سُوجھی۔ پس اگر ہر نیکی کا خیال حضرت ابوبکرؓ کو ہی آ جاتا تو حضرت عمرؓ کہاں جاتے اور اگر اُنہیں ہی خیال آتا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کہاں جاتے۔

پس یہ بات انسانی فطرت میں ہے کہ مختلف مواقع پر مختلف تحریکات دل میں پیدا ہوتی ہیں اِسی طرح مضامین کا حال ہے۔ کوئی مضمون کسی کے خیال میں آتا ہے اور کوئی کسی کے خیال میں۔ ''الفضل'' کو پڑھو۔ بعض دفعہ بچے ایسے مضمون لکھتے ہیں جو نہ علماء کے خیال میں آتے ہیں اور نہ میرے دل میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس کی تحریک نہیں کرتا اور کسی بچے کو کر دیتا ہے کیونکہ اُسے ثواب دینا ہوتا ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ ایک ہی شخص کا فرض ہے کہ جواب دے بالکل عقل کے خلاف ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے کبھی وہ کسی کو تحریک کر کے موقع عطا کر دیتا ہے اور کبھی کسی کو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر مدینہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ کو موقع ملا اور وہ ساتھ رہے اور ہر رنگ میں خدمت کا ثواب حاصل کیا لیکن احد کی جنگ میں جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی تو طلحہؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اپنا سینہ آگے کر دیا۔ جب چاروں طرف سے شور کی آواز سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنا چاہتے کہ کیا ہے تو حضرت طلحہؓ عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اِدھر اُدھر نہ دیکھیں ایسا نہ ہو کوئی تیر لگ جائے۔ میں سامنے کھڑا ہوں۔ اب کوئی کہے کہ احد کے دن حضرت ابوبکرؓ کیوں آگے کھڑے نہ ہوئے، دراصل مکّہ سے ساتھ آنے میں بھی ان کی بدنیتی تھی تو یہ درست نہ ہوگا۔ بیشک احد کے دن حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے موقع نہیں دیا مگر اس میں حضرت ابوبکرؓ کا کوئی نقص نہیں۔ حضرت طلحہؓ بھی تو اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ تھا اور اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی

فخر کی بات عطاء کرنی تھی ۔پس یہ موقع بھی اگر حضرت ابوبکرؓ کو ہی مل جاتا تو حضرت طلحہؓ کیا کہتے ۔ پھر خیبر کے دن حضرت علیؓ کو موقع ملا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج میں اسے موقع دوں گا جو خدا سے محبت کرتا ہے اور جس سے خدا تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تلوار اس کے سپرد کروں گا جسے خدا تعالیٰ نے فضیلت دی ہے ۔حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور اپنا سر اونچا کرتا تھا کہ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں اور مجھے دیدیں ۔مگر آپ دیکھتے اور چُپ رہتے میں پھر سر اونچا کرتا اور آپ پھر دیکھتے اور چُپ رہتے حتّٰی کہ علیؓ آئے اُن کی آنکھیں سخت دُکھتی تھیں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔علی ! آگے آؤ ۔ وہ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے لعابِ دہن اُن کی آنکھوں پر لگایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو شفاء دے ، یہ تلوار لو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہے ۔[۲]

اب اگر کوئی کہے کہ یہ موقع نہ تو حضرت ابوبکرؓ کو ملا اور نہ حضرت عمرؓ کو اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں کرتا تو یہ درست نہیں ۔ حضرت علیؓ کو یہ موقع نہ ملتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کیا کہتے ۔ حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ تو اپنی خدمات پیش کر دیتے مگر حضرت علیؓ کیا کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی موقع دیا ۔اسی طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی کئی مواقع ملے بلکہ حضرت عمرؓ کو پہلے دن ہی موقع ملا جب وہ مسلمان ہوئے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان کے اندر تشریف فرما تھے ۔صحابہؓ بھی پاس تھے ۔ دروازہ بند تھا ۔آپ نے آ کر کہا دروازہ کھولو ۔صحابہؓ نے کہا کہ عمر کی آواز ہے مت کھولو مگر حضرت حمزہؓ پہرے پر تھے انہوں نے کہا ، عمر کی ایسی تیسی آئے تو سہی میں اس کا سر نہ پھوڑ دوں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو ۔ دروازہ کھلا اور حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر ! تم کبھی ہمارا پیچھا چھوڑو گے بھی یا نہیں ؟ ہم الگ مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تم وہاں بھی ہم کو دق کرتے ہو ۔حضرت عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو بیعت کرنے آیا ہوں ۔ یہ سن کر آپؐ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور سب صحابہؓ نے بھی ۔[۳] صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ پہلا نعرہ تکبیر تھا جو مکہ میں بلند کیا گیا ۔ حضرت عمرؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ ! چلیے کعبہ میں نماز پڑھیں ۔حضرت حمزہؓ کو ساتھ لیا اور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں لے گئے۔ یہ دونوں تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اگر کوئی آگے آیا تو ہم اسے فنا کر دیں گے یا خود مر مٹیں گے۔ دیکھو یہ کتنی بڑی فضیلت ہے مگر کیا ہر فضیلت حضرت عمرؓ کے لئے ہی ضروری ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کی اس فضیلت کو دیکھ کر دوسرے مواقع پر صحابہؓ کہہ دیتے کہ اب وہ کہاں ہیں۔ اب آگے کیوں نہیں آتے؟ تو یہ اعتراض صحیح نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نیکی کرنے کا موقع دیتا ہے وہ کر لیتا ہے اور جس کو موقع ملے وہ کیوں چھوڑے۔ اگر مولوی راجیکی صاحب کو یہ خیال آیا تھا کہ میر صاحب نے ایسا مضمون لکھا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے خلاف ہے تو انہوں نے کیوں اس کا جواب نہ دیا اور انہوں نے یہ کیوں فرض کر لیا کہ اس کا جواب دینا بھی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا فرض ہے۔ وہ بھی آدمی ہیں اور یہ بھی اور جسے نیکی کی تحریک ہوتی اسے چاہئے تھا کرتا۔ پس مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرنا کہ ایک ہی شخص کے ذمہ ہے کہ وہ سلسلہ کی اصلاح کرے نہایت ہی خطرناک رَو ہے اور ضروری ہے کہ میں اس کے خلاف اظہارِ ناراضگی کروں۔ میں تو خلیفۂ وقت کے متعلق ایسا خیال کرنا بھی شرک سمجھتا ہوں کُجا یہ کہ کسی اور مولوی کے متعلق یہ امید رکھی جائے کہ ہر مضمون کا جواب دینا اس کا ہی فرض ہے۔ اگر ان کو علم ہوُا تھا کہ میر صاحب نے کوئی ایسا مضمون شائع کرایا ہے تو ان کا فرض تھا کہ اس کی تردید کرتے اور اگر اس سے جھجکتے تھے کیونکہ بعض وقت آدمی خیال کرتا ہے کہ شاید میرا ہی خیال غلط ہو تو ان کو چاہئے تھا مجھے توجہ دلاتے۔

معلوم ہوتا ہے انہوں نے خیال کر لیا کہ مجھے علم ہو چکا ہو گا۔ مگر کیا وہ سمجھتے ہیں کہ میں عالمُ الغیب ہوں اور ہر بات کو جانتا ہوں۔ اِس وقت جو لوگ میری آنکھوں کے سامنے بیٹھے ہیں ان میں سے بیسیوں بعض حرکتیں کر رہے ہوں گے مگر مجھے سامنے کھڑے ہوئے ان کا علم نہیں۔ ''الفضل'' میں بیسیوں مضمون ایسے چھپتے ہیں جو میں نہیں پڑھتا۔ اگر ان کو خیال آیا تھا تو ان مفروضات کی بناء پر وہ کیوں نیکی سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نیکی کا ایک موقع دیا تھا جو دوسروں کو نہیں ملا مگر انہوں نے گنوا دیا اور اب وہ موقع مجھے مل گیا ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر میر صاحب نے ایسا مضمون لکھا ہے تو وہ غلط ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی تعلیم کے خلاف ہے۔☆ یہی نیکی کا موقع مولوی راجیکی صاحب کو ملا لیکن وہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے انقباض رکھنے یا ان کو سلسلہ کا واحد ذمہ دار سمجھنے کی وجہ سے اس ثواب سے محروم رہ گئے۔

اس جگہ ایک لطیفہ بیان کرنے سے میں نہیں رک سکتا۔ وہ لطیفہ یہ ہے کہ مولوی راجیکی صاحب نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے مضمون کے ردّ میں لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل اِس کے خلاف کہا کرتے تھے اور اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت یحیٰؑ قتل نہیں ہوئے۔ (حالانکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پہلے آپ کا یہ عقیدہ تھا بعد میں آپ نے غلطی تسلیم کر لی) لیکن انہیں شاید معلوم نہیں کہ جس دوسرے مضمون کی تردید وہ کرنا چاہتے ہیں اُس میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا خیال یہی تھا کہ یونس کو مچھلی نے نہیں نگلا بلکہ مچھلی کو یونس نے نگلا تھا۔ جن لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل سے قرآن شریف پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ عربی زبان میں بعض جگہ نسبت بدل جاتی ہے اس لئے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ حوت حضرت یونسؑ کے پیٹ میں چلی گئی تھی۔ علاوہ عربی مثالوں کے حضرت خلیفہ اوّل اُردو کی بھی یہ مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے کہتے ہیں کہ پرنالہ چلتا ہے حالانکہ پرنالہ نہیں چلتا بلکہ پانی چل رہا ہوتا ہے۔ تو حضرت خلیفہ اوّل عربی کی بہت سی مثالیں پیش کر کے کہا کرتے تھے کہ حوت حضرت یونسؑ کے پیٹ میں گئی تھی اور پھر وہ بیمار ہو گئے لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اس کے معنی آپ یہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو مچھلی حضرت یونسؑ کے پیٹ سے نہ نکلتی اور ان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور مچھلی کو آپ کے پیٹ سے نکال دیا۔ آپ فرماتے تھے معلوم ہوتا ہے مچھلی کھا کر تخمہ ہوا آخر اللہ تعالیٰ نے زہر خارج کر دیا اور آپ بچ گئے۔

پس اس بارہ میں بھی حضرت خلیفہ اوّل کا عقیدہ یہی تھا جو ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بیان کیا ہے۔ (لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس خیال کو بھی آپ نے بعد میں بدلا کیونکہ

☆ مجھے خطبہ کے بعد میر صاحب کا خط ملا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ میں اپنے مضمون پر نادم ہوں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیدہ کے خلاف کچھ بھی لکھنا گناہ ہے اس لئے میں اس پر ندامت کا اظہار کرتا ہوں۔

پھر آپ نے ہمیں حضرت مسیحؑ کی وفات کے ثبوت میں یونسؑ نبی والی پیش گوئی بھی دکھائی) لیکن ایسے امور میں نبیوں ہی کی بات پر انحصار کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ معجزے ہیں اور معجزوں کو انبیاء ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ ہم میں سے بیسیوں اشخاص اس بات کے زندہ گواہ ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل جب کتاب نورالدین لکھ رہے تھے تو اس میں آپ نے لکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا جو ذکر ہے اس سے مراد لڑائی کی آگ ہے۔ آپ نے خیال کیا کہ آگ میں پڑ کر زندہ بچنا تو بہت مشکل ہے اس لئے آگ سے مراد لڑائی کی آگ لی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دنوں بسرا واں کی طرف سیر کو جایا کرتے تھے مجھے یاد ہے میں بھی ساتھ تھا کسی نے چلتے ہوئے کہا کہ حضور بڑے مولوی صاحب نے بڑا لطیف نقطہ بیان کیا ہے (جو لوگ عام طور پر عقلی باتوں کی طرف زیادہ راغب ہوں وہ ایسی باتوں کو بہت پسند کرتے ہیں) لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قریباً ساری سیر میں اس بات کا رد کرتے رہے اور فرمایا کہ میری طرف سے مولوی صاحب کو کہہ دو کہ یہ مضمون کاٹ دیں۔ ہمیں الہام ہوا ہے کہ ''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'' تو حضرت ابراہیمؑ سے اگر اللہ تعالے نے ایسا سلوک کیا تو کیا بعید ہے۔ کیا طاعون آگ سے کم ہے اور دیکھ لو کیا یہ کم معجزہ ہے کہ چاروں طرف طاعون آئی مگر ہمارے مکان کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا۔ پس اگر حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا ہو تو کیا بعید ہے۔ ہماری طرف سے مولوی صاحب سے کہہ دو کہ یہ مضمون کاٹ دیں چنانچہ آپ نے کاٹ دیا۔ تو معجزات کے بارہ میں انبیاء کی ہی رائے سہی سمجھی جا سکتی ہے کیونکہ وہ ان کی دیکھی ہوئی باتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ آدھ آدھ گھنٹہ باتیں کرتا ہے، سوال کرتا اور جواب پاتا ہے، اس کی باتوں تک تو خواص بھی نہیں پہنچ سکتے کجا یہ کہ عوام الناس جنہوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا اور اگر دیکھا ہو تو ایک دو سے زیادہ نہیں اور پھر اگر زیادہ بھی دیکھیں تو دل میں تردّد رہتا ہے کہ شاید یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نفس کا ہی خیال ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ادھر ہم نے سونے کے لئے تکیہ پر سر رکھا اور ادھر یہ آواز آنی شروع ہوئی کہ دن میں تمہیں بہت گالیاں لوگوں نے دی ہیں مگر فکر نہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تکیہ پر سر رکھنے سے لے کر اُٹھنے تک اللہ تعالیٰ اِسی طرح تسلیاں دیتا رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا ہے کہ بعض دفعہ ساری ساری رات یہی الہام ہوتا رہا ہے کہ اِنِّیۡ مَعَ الرَّسُوۡلِ اَقُوۡمُ[۴] میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں دوسرے لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے بزرگ اور نیک لوگ ایک حد تک سمجھ سکتے ہیں مگر اس حد تک نہیں جس حد تک نبی سمجھ سکتا ہے۔ نبی نبی ہی ہے۔اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کا کلام ایسے رنگ میں ہوتا ہے کہ جس کی مثال دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔

میرے اپنے الہام اور خواب اس وقت تک ہزار کی تعداد تک پہنچ چکے ہوں گے مگر اُس شخص کی ایک رات کے الہامات کے برابر بھی یہ نہیں ہو سکتے جسے شام سے لے کر صبح تک اِنِّیۡ مَعَ الرَّسُوۡلِ اَقُوۡمُ کا الہام ہوتا رہا ہے۔ پھر ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی عزت کریں لیکن جب ہم ان کو انبیاء کے مقابلہ پر کھڑا کرتے ہیں تو گویا خواہ مخواہ ان کی ہتک کراتے ہیں۔ ہر شخص کا اپنا اپنا مذاق ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں عام طور پر یہ چرچہ رہتا تھا کہ آپ کو زیادہ پیارا کون ہے۔بعض لوگ کہتے تھے بڑے مولوی صاحب یعنی حضرت خلیفہ اوّل اور بعض چھوٹے مولوی صاحب یعنی حضرت مولوی عبدلکریم صاحب کا نام لیتے تھے۔ہم اس پارٹی میں تھے جو حضرت خلیفہ اوّل کو زیادہ محبوب سمجھتی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ دوپہر کے قریب کا وقت تھا، کیا موقع تھا یہ یاد نہیں، پہلے میں کبھی شاید یہ واقعہ بیان کر چکا ہوں اور ممکن ہے اس میں موقع بھی بیان کیا ہو مگر اس وقت یاد نہیں، میں گھر میں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھ سے یا حضرت اماں جان بھی شاید وہیں تھیں ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر جو احسانات ہیں ان میں سے ایک حکیم صاحب کا وجود ہے۔آپ بِالعموم حضرت خلیفہ اوّل کو حکیم صاحب کہا کرتے تھے۔کبھی بڑے مولوی صاحب اور کبھی مولوی نورالدین صاحب بھی کہا کرتے تھے۔آپ اس وقت کچھ لکھ رہے تھے اور فرمایا کہ ان کی ذات بھی اللہ تعالی کے احسانات میں سے ایک احسان ہے اور یہ ہمارا ناشکراپَن ہوگا اگر اس کو تسلیم نہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک ایسا عالم دیا ہے جو سارا دن درس دیتا ہے پھر طب بھی کرتا ہے اور جس کے ذریعہ ہزاروں جانیں بچ جاتی ہیں۔اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اسی طرح میرے ساتھ چلتے ہیں جس طرح انسان کی نبض چلتی ہے۔

پس ایسے شخص کا کوئی حوالہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جائے یا مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں میرا نام لے لیا جائے تو اس کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ ہم کو گالیاں دلوائی جائیں۔ خلفاء کی عزت اسی میں ہوتی ہے کہ متبوع کی پیروی کریں اور اگر عدمِ علم کی وجہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو جسے اس کا علم ہوا سے چاہئے کہ بتائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا ہے۔ شاید آپ کو اس کا علم نہ ہو۔ فقہ کا علم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دوسروں سے بہت زیادہ دیا ہے اور ماموروں کی باتوں کو سمجھنے کی دوسروں سے زیادہ اہلیت رکھتے ہیں۔ پھر اس بات پر غور کر کے ہم دیکھیں گے کہ کیا اس کے معنی وہی ہیں جو لوگ لیتے ہیں اور یقیناً فقہ کے بعد ہم اس کو حل کر لیں گے اور وہ حل ننانوے فیصد صحیح ہوگا لیکن اس کو حل کرنے کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ ہم آپ کے مقابل پر ہوں گے اور آپ کے ارشادات کے مقابلہ میں نام لے کر ہماری بات پیش کی جائے۔ کوئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوالہ پیش کرے تو آگے سے دوسرا میرا نام لے دے تو اس کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ ہتک کرائی جائے۔

پس خواہ حضرت خلیفہ اوّل ہوں، یا میں ہوں، یا کوئی بعد میں آنے والا خلیفہ جب یہ بات پیش کر دی جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا ہے تو آگے سے یہ کہنا کہ فلاں خلیفہ نے یوں کہا ہے غلطی ہے، جو اگر عدم علم کی وجہ سے ہے تو سند نہیں ہوسکتی اور اگر علم کی وجہ سے ہے تو گویا خلیفہ کو اسکے متبوع کے مقابل پر کھڑا کرنا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اگر متبوع کے کسی حوالہ کی تشریح خلیفہ نے کی ہے تو یہ کہا جائے کہ آپ اس کے یہ معنی کرتے ہیں لیکن فلاں خلیفہ نے اس کے یہ معنی کئے ہیں اس طرح خلیفہ نبی کے مقابلہ پر نہیں کھڑا ہوتا بلکہ اس شخص کے مقابلہ پر کھڑا ہوتا ہے جو نبی کے کلام کی تشریح کر رہا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں کہ خلفاء کو سب باتیں معلوم ہوں کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ساری احادیث یاد تھیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو ہم کو یاد نہیں اور دوسرے آکر بتاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں جن کے پاس یہ باتیں ہیں وہ اگر سنائیں تو بڑا احسان ہے یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ سب باتوں سے واقف ہو۔

اکثر لوگ جانتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کتابیں بہت کم پڑھا کرتے تھے۔ میرے سامنے یہ واقعہ ہؤا کہ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ مولوی صاحب کو پروف پڑھنے کے لئے کیوں بھیجتے ہیں وہ تو اس کے ماہر نہیں ہیں اور ان کو پروف دیکھنے کی کوئی مشق نہیں۔ بعض لوگ اس کے ماہر ہوتے ہیں اور بعض نہیں۔ میں خطبہ دیکھتا ہوں مگر اس میں پھر بھی بیسیوں غلطیاں چھپ جاتی ہیں۔ آج ہی جو خطبہ چھپا ہے اس میں ایک سخت غلطی ہوگئی ہے۔ میں نے اصلاح تو کی تھی مگر اصلاح کرتے وقت پہلے فقرہ کا جو مفہوم میرے ذہن میں تھا وہ دراصل نہ تھا۔ میں نے سمجھا کہ اس سے پہلے یہ فقرہ ہے کہ صرف ان نبیوں کا رستہ مسدود قرار دیا گیا ہے اور میں نے اس کے بعد کے فقرہ کو جس میں کچھ غلطی رہ گئی تھی یوں درست کر دیا کہ ''جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعد کی نبوت بنا دے'' مگر چھپنے کے بعد میں نے پڑھا تو پہلا فقرہ بالکل اس کے الٹ تھا۔ جو میں نے سمجھا تھا اور ''الفضل'' میں یہ فقرہ پڑھ کر میں حیران ہوگیا کہ ''کسی ایسے مدعی کے آنے کے رستہ کو مسدود قرار نہیں دیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعد کی نبوت بنا دے''۔ اور اس طرح گویا اس کے یہ معنی ہوگئے کہ شرعی نبی تو آ سکتا ہے مگر غیر شرعی نہیں حالانکہ مراد یہ تھی کہ صرف ایسے مدعی کے آنے کے رستہ کو مسدود قرار دیا گیا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعد کی نبوت بنا دے۔ یعنی صرف شرعی نبی کی اور مستقل نبی کی روک کی گئی ہے۔ تو بعض لوگ پروف دیکھنے کے ماہر ہوتے ہیں اور بعض نہیں۔ میر مہدی حسین صاحب اس کے ماہر ہیں اور وہ ایسی باریک غلطیاں بھی پکڑ لیتے ہیں جو دوسرے سے یقیناً رہ جائیں۔ تو کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ مولوی صاحب تو اس کے ماہر نہیں ہیں آپ ان کو پروف کیوں دکھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب کو فرصت کم ہوتی ہے اور وہ بیمار وغیرہ رہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ پروف ہی پڑھ لیا کریں تا کہ ہمارے خیالات سے واقفیت رہے اور پھر پڑھنے کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ ہر بات یاد ہو۔ مثلاً حضرت یحییٰؑ کے قتل کے متعلق ہی حوالے میں نہیں نکال سکا اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کہلا بھیجا کہ نکال دیں۔ میرا حافظہ اس قسم کا ہے کہ قرآن کریم کی وہ سورتیں بھی جو مَیں روز پڑھتا ہوں ان میں سے کسی کی آیت نہیں نکال سکتا۔ لیکن دلیل کے ساتھ جس کا تعلق ہو خواہ کتنا ہی

عرصہ گزر جائے مجھے یاد رہتی ہے۔ جن باتوں کا یاد رکھنا میرے کام سے تعلق نہ ہو وہ مجھے یاد نہیں رہتیں۔ حوالے میں سمجھتا ہوں کہ دوسروں سے نکلوالوں گا اس لئے یاد نہیں رکھ سکتا اور جو سورتیں میں روز پڑھتا ہوں ان کی آیت سن کر بھی فوراً نہیں کہہ سکتا کہ فلاں سورۃ کی ہے۔ ہاں بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع کر کے ساری سورۃ پڑھوں تو پڑھ لوں گا لیکن ایک آیت کے متعلق پتہ نہیں لگا سکتا کہ کہاں سے ہے۔ سوائے پانچ سات چھوٹی سورتوں کے یا سورہ فاتحہ کے۔ بڑی بڑی سورتیں جو یاد ہیں ان سے درمیان کا ٹکڑہ سن کر حوالہ نہیں نکال سکتا لیکن یوں بات یاد رکھنے میں میرا حافظہ ایسا ہے کہ بعض خطوط جب پرائیویٹ سیکرٹری دو دو ماہ بعد پیش کرتا اور کہتا ہے کہ فلاں نے یہ لکھا ہے اور اگر ان کی غلطی ہو تو میں کہہ دیتا ہوں کہ اس نے یہ تو نہیں بلکہ یہ لکھا ہے۔ جب میں ڈاک کے جواب مسجد میں لکھوایا کرتا تھا تو بعض لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ بات وہی صحیح ہوتی تھی جو میں کہتا تھا حالانکہ خط سیکرٹری کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ تو میرا حافظہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا زبردست ہے کہ بہت کم لوگوں کا ایسا ہوگا۔ مضمون کے لحاظ سے حوالہ ایسا یاد رہتا ہے کہ کوئی حافظ اس طرح نہیں رکھ سکتا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ لاہور میں مجھے اچانک تقریر کرنی پڑی حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے جو آیات کا حوالہ نکالنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے ان کو میں نے پیچھے بٹھا لیا اور مضمون بیان کرنا شروع کر دیا جب ضرورت ہوتی ان سے حوالہ دریافت کر لیتا۔ اگلے دن ایک ہندو اخبار نے لکھا کہ تقریر تو بہت اچھی تھی لیکن ایک بات قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ موقع پا کر مَیں سٹیج کی پچھلی طرف چلا گیا تو معلوم ہوا کہ پیچھے ایک شخص بیٹھا ہوا بتاتا جاتا ہے اور یہ آگے بیان کرتے جاتے تھے۔ حافظ صاحب کے حوالے بتانے سے اس نے سمجھا شاید مضمون بھی وہی بتا رہے ہیں۔ تو مضمون کے لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے القاء کے طور پر حوالے ملتے جاتے ہیں حالانکہ اس کا خیال اور واہمہ بھی نہیں ہوتا یونہی لفظ سامنے آجاتا ہے اور پھر میں حافظہ سے آیت پوچھ لیتا ہوں مگر یہ پتہ نہیں لگتا فلاں آیت کس سورۃ میں ہے۔

تو گو حافظوں کی بھی کئی کمزوریاں ہوتی ہیں مگر جب نص موجود ہے تو خواہ دوسری بات کو حافظہ کی کمزوری سمجھو، خواہ نافہمی بہرحال مقدم وہی بات ہوگی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے کہی ہے۔

اس کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں اور پہلے بائبل کو لیتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ اصولی طور پر اس معاملے میں کیا کہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ صلیب پر لٹکائے گئے اور اس وجہ سے یہود نے کہا کہ وہ لعنتی ہو گئے اور انہوں نے اسی نیت سے ایسا کیا وہ سمجھتے تھے کہ بائبل کی رو سے جو نبی بھی قتل ہوتا ہے لعنتی ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ مضمون واقعی بائبل میں درج ہے یا صرف یہ مضمون ہے کہ جھوٹا نبی ضرور سزا پاتا ہے۔ گویا وہی بات ہے جو قرآن کریم نے آیت **لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ** ۵ میں کہی ہے یعنی جو کوئی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ہم اس کی رگِ جان کو کاٹ دیتے ہیں اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹا ہوتا تو ہم اسے یہ سزا کیوں نہ دیتے؟

پس یہ اصول ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جیسا کہ میں نے پچھلے خطبہ میں بیان کیا تھا، اسکے معنی یہ نہیں کہ سچا نبی قتل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ہیں کہ جھوٹا نبی ضرور قتل کیا جاتا ہے۔ یہی مضمون ہمیں بائبل میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ استثناء باب ۱۳ آیت ۵ میں لکھا ہے کہ ''اور وہ نبی جس کی خواب پوری ہو جاتی مگر شرک کی تعلیم دیتا ہے، یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا'' یعنی کسی کے ایک خواب پورا ہونے سے یہ مت یقین کرلو کہ وہ نبی ہو گیا ہے۔ اگر وہ شرک کی تعلیم دیتا ہے تو اسے جھوٹا ہی سمجھو۔ پس اس کے یہ معنی نہیں کہ سچا نبی قتل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ہیں کہ جھوٹا قتل ضرور کیا جاتا ہے اور دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ ہماری جماعت میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہوا کہ تیری مخالفت کی وجہ سے طاعون سے لوگ ہلاک ہوں گے۔ اور گویا وہ دشمن کے لئے عذاب ہے۔ مگر جب کوئی احمدی بھی کبھی اس کا شکار ہو جاتا تو مخالف مضحکہ اڑاتے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا مسلمان جنگوں میں شہید نہ ہوتے تھے۔ وہ جنگیں کفار کے لئے تو عذاب ہوتی تھیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے شہادت کا موجب۔ تو استثنائی طور پر اللہ تعالیٰ کبھی کبھار دشمنوں کو بھی ہنسی کا موقع دے دیتا ہے۔ پس اس کے معنی یہ نہیں کہ سچا نبی قتل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ہیں کہ جھوٹا نبی ضرور قتل ہوتا ہے اور دوسرے الفاظ میں اسکے یہ

معنی بھی ہیں کہ یہود کی شریعت کا یہی حکم ہے کہ جھوٹے نبی کو ضرور قتل کرو۔ چنانچہ اسی باب کی آیت ۱۵ میں لکھا ہے کہ ’’تو تو اس شہر کے باشندوں کو تلوار کی دھار سے ضرور قتل کرے گا‘‘ جس سے مراد یہ ہے کہ تجھے چاہئے کہ اسے قتل کر دے۔ پس جبرا سی باب میں ’’کرے گا‘‘ بمعنے ’’کرے‘‘ استعمال ہؤا ہے تو مذکورہ بالا حوالہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بائبل کا حکم ہے کہ اس شخص کو جو شرک کی تعلیم دیتا ہو اور ساتھ نبوت کا مدعی ہو بنی اسرائیل قتل کر دیا کریں۔

پھر زکریا باب ۱۳ آیت ۳ میں لکھا ہے کہ ’’جھوٹا نبی جلد ہلاک ہوتا ہے (قتل کا ذکر نہیں) اس کے ماں باپ جن سے وہ پیدا ہؤا ہے اسے کہیں گے کہ تُو نہ جیئے گا۔‘‘ یہاں جینے کا لفظ ہے جس میں موت بھی، قتل بھی اور ہلاکت بھی ہو سکتی ہے۔ قتل کا لفظ یہاں نہیں ہے۔

استثناء باب ۲۱ آیت ۲۲، ۲۳ میں ہے کہ ’’اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جائے تو اسے درخت میں لٹکا دے۔ اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تُو اُسی دن اُسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے وہ خدا کا ملعون ہے اس لئے چاہئے کہ تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھے کرتا ہے ناپاک نہ کی جائے‘‘۔

یہاں پھانسی پر لٹکائے جانے والے کے متعلق ایک حکم بیان کیا ہے اور الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ ایسا پھانسی پانے والا جسے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت پھانسی دی جائے ملعون ہوتا ہے یعنی جب خدا تعالیٰ کی شریعت کے مطابق اس کا قتل واجب ہو تب لعنتی ہوتا ہے محض پھانسی پانے کی وجہ سے کوئی لعنتی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ لعنتی ہو گا جو کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے پھانسی دیا جائے۔ جس کے متعلق تورات کہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور جسے خدا تعالیٰ بسبب ناراضگی کے پھانسی پر لٹکانے کا حکم دے اس کے ملعون ہونے پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ یہود کے اندر احساس تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جسے ہم پھانسی دیں وہ لعنتی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے لازمی طور پر ان کے اندر یہ احساس بھی تھا کہ جسے پھانسی پر لٹکایا جائے اس کا دعویٰ تسلیم نہیں کرنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ایسی باتوں سے بچاتا ہے جن سے لوگ نفرت کریں۔ یوں تو نبی ہر ایک ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی چوہڑا یا چمار نبی ہو جائے تو طبائع میں اتنی نفرت پیدا ہو گی کہ لوگ اس (نفرت) پر غالب

نہ آسکیں گے اور اِس وجہ سے اُس کی طرف توجہ ہی نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان باتوں کا بھی خیال رکھتا ہے تا لوگ ضد نہ کریں کیونکہ یہ ضروری ہے ورنہ نفرت کی وجہ سے بہت سے لوگ ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ پس صلیب پر لٹکانے سے حضرت مسیح ناصریؑ کا بچانا اس نفرت کو دور کرنے کے لئے تھا نہ اس لئے کہ واقع میں صلیب پر لٹک کر انسان لعنتی ہو جاتا ہے خواہ مجرم ہو یا نہ ہو۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یونہی اگر کسی کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو وہ ملعون نہیں ہوسکتا۔ کوئی شخص شریف ہے، بے گناہ ہے، خدمت خلق کرتا ہے، نیکی کے دوسرے کام کرتا ہے لیکن چور اور ظالم لوگ آ کر اسے پھانسی دیتے ہیں تو کیا وہ ملعون ہو جائے گا؟ انسانی فطرت اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اگر کسی بے گناہ کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو وہ ملعون ہو جائے گا۔ پس یا تو یہ مانو کہ کوئی بے گناہ پھانسی پر لٹکایا جا ہی نہیں جا سکتا جونہی کوئی چور اسے پکڑ کر پھانسی پر لٹکانے لگے تو فرشتے جھٹ سے آ کر اسے اتار دیں گے اور چھین کر لے جائیں گے اور اس طرح صلیب پر کوئی غیر مجرم لٹکایا ہی نہیں جا سکتا یا پھر یہ مانو کہ محض پھانسی پر لٹکانے سے کوئی شخص ملعون نہیں ہوسکتا۔ غرض یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ کسی یہودی مؤمن کو کوئی صلیب پر لٹکا سکتا ہی نہیں جس طرح دعائے گنج العرش کے متعلق مشہور ہے جو اسے پڑھے نہ تو اس کو آگ جلا سکتی ہے، نہ اس کو سمندر ڈبو سکتا ہے، نہ پہاڑ پر سے وہ گر سکتا ہے۔ چنانچہ دعائے گنج العرش کی بابت لکھا ہے کہ کسی چور کو بادشاہ نے پھانسی دیئے جانے کا حکم دیا مگر رسی کھینچتے ہیں تو وہ کھنچتی ہی نہیں۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ وہ پھانسی سے نہیں مرتا اس کی گردن ہی نہیں دبتی تو اس نے اسے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا مگر جب آگ میں ڈالا تو دیکھا کہ وہ آگ سے کھیل رہا ہے۔ جب اس کی بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے سمندر میں پھینک دینے کا حکم دیا مگر جب پتھروں سے باندھ کر اسے سمندر میں پھینکا گیا تو وہ کارک کی طرح تیرنے لگا، آخر اسے پہاڑ سے گرانے کا حکم دیا گیا مگر جب پہاڑ سے گرایا گیا تو یوں معلوم ہوا کہ کسی نے اسے پکڑ کر آرام سے زمین پر رکھ دیا ہے اور اسے ذرہ بھی چوٹ نہ آئی۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہا کہ یہ تو کوئی ولی اللہ ہے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں معافی مانگتا ہوں آپ کو چور سمجھا، آپ تو ولی اللہ ہیں مگر اس نے کہا کہ نہیں میں ولی اللہ نہیں چور ہی ہوں صرف بات یہ ہے کہ دعا گنج العرش پڑھتا ہوں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ

یہودی مؤمنوں کی مثال ایسی ہوئی جیسی دعا گنج العرش پڑھنے والوں کی بیان کی جاتی ہے۔ اگر بائبل کی اس آیت میں انبیاء کا ذکر ہوتا تو اور بات تھی مگر یہاں تو مؤمنوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص سلوک ہوتا ہے وہ ان کے لئے نشان دکھاتا ہے مگر عام مؤمنوں کے ساتھ ویسا نہیں ہوتا۔ وہ مارے بھی جاتے ہیں، ان کو شیر بھی کھا جاتے ہیں، پھانسی بھی پا جاتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ یہ سب باتیں گزریں تو کیا تورات کے ماننے والے مؤمنوں میں ہی کوئی خاص خوبی تھی کہ خواہ سارے بادشاہ مل کر انہیں پھانسی دینا چاہیں کیل تک نہ گاڑ سکیں اور یا پھر یہ سمجھو کہ یہود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ تھا کہ ان میں سے کسی ولی اللہ کو اٹھا کر پھانسی پر لٹکا دو اسی وقت لعنتی ہو جائے گا۔ گویا باقی دنیا کے لئے تو لعنت اس کے اپنے افعال سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہود کے متعلق خدا تعالیٰ کی لعنت ڈالنے کا حق دشمنانِ دین کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ پس یا تو یہ دونوں خلافِ عقل و ایمان باتیں ماننی پڑیں گی اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں امر نا قابلِ قبول ہیں۔ ایک کو عقل نہیں مانتی اور دوسرے کو ایمان۔ اور اس طرح ماننا پڑے گا کہ جیسا کہ اصل حوالہ میں ذکر ہے۔ صرف وہ پھانسی پانے والا ملعون ہے جو خدا کے حکم کے مطابق پھانسی دیا جائے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایسا گناہ کرنے والا جس سے اس کا قتل واجب ہو جائے لعنتی ہوتا ہے چونکہ خدا کی شریعت کہتی ہے کہ اسے مار ڈالو اس لئے وہ لعنتی ہے۔ پس یہ حوالہ واضح ہے اور اس میں صرف نبوت کے مدعیوں کا ہی ذکر نہیں بلکہ ہر مجرم کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ اصل شریعت لانے والے تھے باقی نبی ان کے تابع تھے اس لئے باقی بھی یہی بات بیان کرتے گئے۔ آہستہ آہستہ یہود میں جب یہ خیال پیدا ہؤا کہ ہم خدا تعالیٰ کے جانشین ہیں تو ساتھ ہی انہیں یہ وہم بھی پیدا ہو گیا کہ جسے وہ پھانسی پر لٹکا دیں وہ ملعون ہے۔ اس کے علاوہ اور حوالے بھی ہیں۔ یرمیاہ باب ۱۴ آیت ۱۵ میں ہے (جھوٹے نبیوں کی نسبت) اُس لئے خداوند یوں کہتا ہے کہ ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لے کر نبوت کرتے ہیں جنہیں میں نے نہیں بھیجا اور جو کہتے ہیں کہ تلوار اور کال اس سرزمین پر نہ ہوگا یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائیں گے۔

یرمیاہ باب ۲۲ آیت ۱۵ سے آخر تک جھوٹے نبیوں کی سزا اور ان کی ناکامی کا ذکر ہے

گو قتل کا ذکر نہیں۔ سلاطین ۱ باب ۱۸، ۱۹ میں ذکر ہے کہ پچاس نبیوں کو بنی اسرائیل نے قتل کیا۔ متی باب ۲۳ آیت ۲۹ تا ۳۱ میں ہے کہ ''اے ریا کار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور راستبازوں کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک ہوتے۔ اسی طرح تم اپنے پر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو''۔ پھر باب ۲۳ آیت ۳۷ میں لکھا ہے کہ ''اے یروشلم اے یروشلم جو نبیوں کو مار ڈالتی ہے''۔ ان تمام حوالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی ضرور ہلاک ہوتا ہے مگر ان کے یہ معنی نہیں کہ سچا قتل نہیں ہوتا۔

بائبل کے علاوہ احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ میں نے گزشتہ خطبہ کو دیکھتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہؤا ایک واقعہ لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ دنیا میں دو شخص سب سے زیادہ بدبخت ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو نبی کو قتل کرے اور دوسرا وہ جسے نبی قتل کرے۔ مجھے اس وقت خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حدیث میں بھی یہ ذکر ہے مگر میں نے چونکہ وہ حدیث پڑھی نہ تھی یا مجھے یاد نہ تھی۔ یہ حصہ میں نے نہ لکھا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ آج اس بارہ میں احادیث دیکھنے پر یہی حوالہ میرے سامنے آ گیا۔ چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْ قَتَلَہٗ نَبِیٌّ [6] ''یعنی ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس کو ملے گا جس نے نبی کو قتل کیا ہو یا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نبی کا قتل ممکن ہے۔

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا یَا اَبَا عُبَیْدَۃَ قَتَلَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ ثَلَاثَۃً وَاَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا اَوَّلَ النَّھَارِ فِیْ سَاعَۃٍ وَاحِدَۃٍ [7] یعنی بنی اسرائیل نے ایک دفعہ گھنٹے میں ۴۳ نبیوں کو قتل کیا تھا۔ یہ دراصل وہی مضمون ہے جو سلاطین ۱ باب ۱۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے بہت سے نبیوں کو قتل کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے

الہام پاکر ان نبیوں کی صحیح تعداد بھی بتا دی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے ایک وقت میں کئی کئی نبی معبوث ہوتے تھے اور بائبل سے ثابت ہے کہ جب کوئی بادشاہ خراب ہوتا تو کئی کئی نبی اکٹھے ہو کر اس کے خلاف فیصلہ کرتے تھے۔

اصل واقع مَیں بعد میں بیان کروں گا۔اس وقت صرف یہ بتا رہا ہوں کہ اصولی طور پر بائبل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی ضرور مارا جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ جو مارا جائے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے متعلق اگر کوئی مشتبہ حوالہ ہو تو اس وقت میرے ذہن میں نہیں لیکن واضح حوالہ کوئی نہیں اصل حوالہ لعنتی والا ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس میں نبی کی شرط نہیں بلکہ وہاں یہ لکھا ہے کہ جو لٹکایا جائے وہ ملعون ہوگا اور بات چونکہ عقل کے خلاف ہے۔اس لئے وضاحت کر دی گئی ہے۔ جو خدا کے حکم سے پھانسی دیا جائے وہ ملعون ہے لیکن بنی اسرائیل کا چونکہ خیال تھا کہ ہم خدا کے جانشین ہیں اس لئے انہیں بھی یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جسے ہم لٹکا دیں وہ ملعون ہو جائے گا اسی لئے وہ حضرت مسیح ناصریؑ کو صلیب پر لٹکا کر مارنا چاہتے تھے تا انہیں بھی لعنتی ثابت کر دیں مگر خدا نے آپ کو زندہ بچا لیا تا کہ دشمنوں کو جھوٹی خوشی بھی نصیب نہ ہو۔ پھر اس کے علاوہ جیسا میں نے بیان کیا ہے احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شدید ترین عذاب اُس شخص کو دیا جائے گا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ۴۳ نبی قتل ہوئے اور بائبل میں بھی اس امر کی شہادت موجود ہے کہ ایک وقت میں یہودی بادشاہوں نے کئی انبیاء کو قتل کیا۔

پھر قاعدہ کے طور پر قرآن کریم نے بھی فرمایا ہے کہ **فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** [8] نیز **يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ** [9] پس اصولی طور پر قرآن کریم، احادیث اور بائبل تینوں متفق ہیں اس امر پر کہ انبیاء قتل ہو سکتے ہیں اگرچہ ایسا بہت شاذ ہوتا ہے۔ ایسا ہی شاذ جیسا کہ اس قاعدہ کے متعلق شاذ ہے کہ بالعموم دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ انبیاء کی نصرت کرتا ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ان کے ساتھ صرف ایک ہی ماننے والا ہوگا مگر یہ استثنائی حالت ہے۔ اسی طرح عام قاعدہ

یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو قتل ہونے سے بچاتا ہے مگر استثنائی طور پر بعض قتل کر بھی دیئے جاتے ہیں اور اس میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔

پس قرآن، حدیث اور بائبل تینوں اس مسئلہ میں متفق ہیں اور ایسی متفقہ گواہی کی تردید کے لئے بھی کوئی زبردست وجہ ہونی چاہئے بغیر کسی معقول وجہ کے اس کی تاویل نہیں کی جاسکتی قرآن کریم نے فرشتوں کے وجود کا ذکر کیا ہے مگر سرسید احمد صاحب نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاقتیں ہیں اور یہ تاویل بعض حوالوں کو مدنظر رکھ کر بیشک ہوسکتی ہے لیکن جس وضاحت سے فرشتوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے ان سب کو مدنظر رکھ کر یہ تاویل کسی صورت میں نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی ایسی تاویل کرے تو ضروری ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی زبردست ثبوت ہو۔ اسی طرح ان تینوں بیانات کی تاویل کرنے کے لئے کوئی زبردست شہادت چاہئے کیونکہ جب بائبل، قرآن اور حدیث تینوں قتل کے جواز کو مانتے ہیں تو اصولی طور پر اس کی تردید کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ بیشک نبی قتل ہوسکتا ہے لیکن حضرت یحییٰؑ کا قتل تاریخ وکتبِ دینیہ سے ثابت نہیں لیکن اس معاملے میں یہ صورت بھی موجود نہیں۔

اب چونکہ دیر ہوگئی ہے میں اِس مضمون کو اگلے خطبہ میں اِنْشَاءَ اللہ بیان کروں گا۔''

(الفضل ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۸ء)

''اِس خطبہ کے بعد مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی راجیکی صاحب دونوں کے خطوط ملے ہیں جن میں اُنہوں نے اپنی براءت کی ہے۔ میں ان کی براءت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میری ہرگز یہ غرض نہیں کہ اُن کی تنقیص ہو میں ان کو مخلص اور سلسلہ کا خادم سمجھتا ہوں، میری غرض صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ صاف اور واضح ہو جائے اور میں سمجھتا ہوں ان دوستوں کی بھی یہی خواہش ہوگی۔ ایسے امور میں تردید کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے اور نہ اس کی کہ نادان لوگ دھوکا کھا کر ہنسی مذاق کریں۔ وہ جو ایسے امور میں ہنسی کرتا ہے اُس کی روحانیت مُردہ ہے اُس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے یہ تو بڑے خوف کا مقام ہے۔ خاکسار۔ مرزا محمود احمد''

(الفضل ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱)

۱؎ الصّٰفّٰت:۱۴۵

۲؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوة خَیبر

۳؎ اسد الغابة جلد۴ صفحہ۵۵ مطبوعہ بیروت ۱۲۸۶ء

۴؎ تذکرہ صفحہ۴۶۲۔ ایڈیشن چہارم

۵؎ الحاقة:۴۵

۶؎ مسند احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ۴۹۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء کے الفاظ یہ ہیں۔ اشْتَدَّ غَضب الله عَزَّوَجَلّ عَلٰی رَجُلٍ قتل نبیه۔

۷؎ تفسیر درمنثور للسیوطی جلد۲ صفحہ۲۳ مطبوعہ ۱۹۹۰ء

۸؎ البقرة:۸۸

۹؎ البقرة:۶۲